

جویریہ بانو

نئی نئی کہانی

PakDigestNovel
Blogspot.Com



جویریہ بانو

نورنگی دھوپ کے نور!

نوس بورڈ کے آگے لگے مجمع میں جس توگنی مگر اب یوں لگ رہا تھا جیسے سانس بند ہو جائے گا۔ وہاں فرسٹ سیسٹر والوں کا ٹائم ٹیبل لگا ہوا تھا اور وہ اپنی پہلی کلاس کا ٹائم دیکھنے کی کوششوں میں تھی۔
”اوسے ہوئے بہنا میرے پاؤں پر سے تو اتر تو رہا ہے۔“ اس نے چلا کے خود پر پڑھتی لڑکی سے کہا اور خود ابھی نوس بورڈ کی طرف متوجہ ہوئی ہی تھی کہ پیچھے سے نہ جانے کس کی کہنی اس کے سر پر لگی۔ چشمہ

ایک دم پھسل کے گلے میں لٹک گیا اور سارا ٹائم ٹیبل دھنڈلا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، ایک دھکا لگا اور اس کا منہ نوس بورڈ کے کونے میں لگا۔ ”او میرے خدایا، یہ کس جنجال پورے میں ایڈمیشن لے لیا میں نے۔“ اس کا صبر جواب دے گیا۔ چشمہ پھسل کے اس کے قدموں میں گر چکا تھا اور یہ ٹائم ٹیبل..... پتہ نہیں کس افلاطون نے بنایا ہے اس قدر باریک؟ بشکل اس نے جھک کے اپنا چشمہ اٹھایا۔
”ایم ایس سی فرسٹ سیسٹر؟“ پاس کھڑی لڑکی نے اس کی جھنجھلاہٹ کے پیش نظر پوچھا۔
”آہ جی غلطی سے.....“ کلس کے کہتے ہوئے وہ واپس مڑی مگر رستہ بند اسے غصہ آ گیا۔
”اولعیم کے شیدائیوں اب باہر تو نکلنے دو۔“ اس نے چلا کر کہا اور بھی کسی نے اسے بازو سے پکڑ کے باہر کھینچ لیا۔

مکمل ناول



اس کی حالت دیکھنے والی تھی۔ اڑے ہال، پھٹی آنکھیں، گلے سے لٹکتا چشمہ اور چڑ مڑی ہوا دوپٹہ..... کھینچنے والی کے منہ سے یکدم ہنسی کا فوارہ پھوٹا۔ ”اے رومی! اس کے ہال دیکھ.....“ اس نے پاس کھڑی ایک اور لڑکی کو ہنسی مار کے متوجہ کیا تھا۔

”شرم تو نہیں آرہی یوں دانت ٹکالتے ہوئے۔ بجائے اس کے کہ مجھ پر ترس کھا کر کے میری مدد کرو لفتکوں کی طرح ہنس رہی ہو۔“ وہ ایک دم اپنی جون میں آئی۔

”مدد ہی کی ہے جو نہیں باہر نکالا ہے ورنہ اس مجمع میں ہی دفن ہو جاتیں تم۔“ سامنے والی بھی سوا سیر تھی۔

”چلو اب پہلی کلاس آٹھ بج کر پچاس منٹ پر ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ کلاس تک آتے آتے اس نے اپنا حلیہ کافی حد تک درست کر لیا۔

”تم دونوں فرینڈز ہو؟“ اس نے کلاس میں داخل ہوتے ہوئے ان سے پوچھا۔

”ہاں F.sc فرینڈز ہیں، یہیں پیپلز کالونی میں ہی کھڑے ہیں ہم دونوں کے۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ اعتمادی اس میں کوئی کمی نہیں تھی۔

”ایم رشنا اینڈ سن انوار امین..... تم؟“ رشنا نے فوراً ہی پوچھا۔

”ایم رحمہ ملک ساہیوال سے آئی ہوں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”پائسل میں رہتی ہوگی نہ تم لوگوں؟“ اب کے رائے نے پوچھا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور خود بے ہی دونوں میں اس نے یہ سن کر ٹھٹھکتا ہوا دیا کہ رحمہ ملک فرام ساہیوال ہی کوئی چیز ہے۔

رحمہ ملک فرام ساہیوال پینک شہر چھوٹا تھا مگر اس کا دل بڑا تھا۔ یہاں ایک ہاتھ میں کپڑوں کا بیگ اور دوسرے میں کتابوں کا پلندہ اٹھائے ایسی ہی کمر سے 120 فوٹورور پڑنے آئی تھی۔ اعتماد اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ سچی تو پہلے دن ہی رشنا جیسی لڑکی سے الجھنے لگا تھا۔ وہ وہ ہو ہوا اس جیسی ہی تھی۔ خوش شکل، صاف دل، تیز مزاج اور پراعتماد..... دو چیزیں اور تھیں جو ان دونوں میں مشترک تھیں۔

ذہین..... دونوں ہی تھیں۔

محنتی..... دونوں ہی تھیں۔ اور اس کی کو پورا کرنے کے لیے ان کی راکٹ اینگل ٹرائی اینگل (قائمہ زاویہ مثلث) کا 90 ڈگری کا زاویہ رائے حسن تھی۔ ذہین کم محنتی زیادہ۔ ان دونوں کے برعکس وہ نرم مزاج بھی تھی اور کم گو بھی سو جہاں کہیں رحمہ اور رشنا کے غصے آسمانوں کو چھوتے رائے کا دھیمپا پن معاملہ سمیٹ دیتا۔

جہاں کہیں رحمہ کسی بات پر لا جواب ہوتی رشنا کی زبان قراقرم ایکسپریس کو بھی مات دے جاتی۔

جہاں کہیں رشنا ذرا پیچھے ہٹتی نظر آتی، رحمہ جھٹ دھکا لگا کہ اسے ہزار کلومیٹر آگے لے جاتی اور جہاں کہیں رائے پریشان ہوتی وہ دونوں ڈھال کی طرح اس کے آگے آ جاتیں۔

رشنا جیسی موڈی لڑکی شاید اتنی جلدی رحمہ کو قبول نہ کرتی اگر وہ واقعہ نہ ہو جاتا۔

☆.....☆

اس دن سر رشید نے انہیں آرکینک کیمسٹری کے مڈ ٹرم کے پیپر زد کھائے، سب سے زیادہ مارکس ان کی

اس کی ارنیٹ طارق کے تھے جو Bsc تک رشنا کی کمپیوٹر تھی اور ہمیشہ اس سے ایک نمبر آگے ہی رہتی تھی۔ اب بھی ارنیٹ کے 17 تھے اور رحمہ کے 16.5 اور رشنا کے 16 رحمہ کے تو بیروں میں خارش ہونے لگی شکل سے تو وہ جن نہیں لگتی پھر کیسے 17 آگئے اس کے؟ اے ارنیٹ کے 17 مارکس ہضم ہی نہیں ہو رہے تھے۔ چار پانچ چکر لگا لیے ہوں گے اس نے سر رشید کے آفس کے۔ رشنا کو تو ویسے بھی آگ لگی ہوئی تھی۔

”ایٹالسکیو زمی..... اپنا پیپر دکھائیے گا۔“ رحمہ، ارنیٹ کے ہاتھ سے باقاعدہ اس کا پیپر چھینتے ہوئے بولی اور لحوں میں اس کا پوسٹ مارٹم کر ڈالا۔

”ایک سیکنڈ.....“ کہتے ہوئے اس نے ارنیٹ کا پیپر سر رشید کے آگے رکھا۔

”ایٹالسکیو زمی سر! انہوں نے آکسیجن پر آکسیڈیشن ٹیسٹ غلط لکھی ہوئی ہے اور آپ نے پھر بھی پورا ایک نمبر دیا ہوا ہے۔“ ارنیٹ نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا۔ ساری کلاس قہر شاد کیٹنے جمع ہوئی اور سر رشید کو ان سارے کاموں کے ماموں لگتے تھے۔ جھٹ ریڈ کر اس لگا کر ایک نمبر کاٹ لیا ارنیٹ کی آنکھیں بھر آئیں۔ رحمہ بلاناغہ دلہاں ڈالتی ہوئی واپس مڑی۔

”میں دیکھ لوں گی تین بیٹرو..... جاہل.....! ارنیٹ اسے کھانے کو دوڑی۔

”پینڈو تو پھر بھی ٹھیک ہے مگر جاہل دو بارہ مت کہنا۔“ رحمہ کی ہنسی اسے اور آگ لگا گئی۔

”کہوں گی جاہل..... کرو تو کیا کر سکتی؟“ رشنا ایک دم آگے آئی۔ ”او ارنیٹ بی بی تم ٹھیکیدار نہیں ہو۔ Highest مارکس کی۔“ سچیں لہجہ کر کے کہہ کر وہاں سے لے گئی۔ آج پہلی بار وہ ارنیٹ کے برابر ہوئی تھی۔ صرف رحمہ کی وجہ سے۔ ”جمل پارٹی کرتے ہیں۔“ وہ رحمہ کو کھینچتے ہوئے کینٹین پر لے گئی۔

اس واقعے کے بعد وہ 3R سے مشہور ہو گئیں۔

☆.....☆

”یار روشنی یہ سردانیال کیسے بولتے ہیں ناں؟“ کلاس سے باہر نکلتے ہوئے اسی نے رشنا سے کہا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ رائے ایکدم بولے۔

”منہ ہی منہ میں غن غن کرتے رہتے ہیں۔ ایک سمجھ نہیں آئی مجھے۔“ وہ رائے کے تاجرات سے بے جا بولتی چلی گئی۔

”ان کے دانتوں کو تو تھوڑا رندا پھر مار دینا چاہیے تاکہ الفاظ آسانی سے باہر تو نکل سکیں۔ ہے ناروشی؟“ رشنا کی طرف مڑی۔

”بے شرم رومی کے بڑے بھائی ہیں وہ۔“ رشنا نے اس کو فائل مارتے ہوئے کہا۔

وہ حیران پریشان کھڑی رہ گئی۔ رائے اسے دیکھتے ہوئے ہولے ہولے ہنس رہی تھی۔ ”تو نے کبھی بتایا نہیں رومی۔“

شرمندہ ہوتا تو اس کی سرشت میں ہی نہیں تھا۔ ”بتا دیتی تو یہ کیسے پتا چلتا کہ ان کے دانتوں پر رندہ نے والا ہے۔“ رائے قہقہہ لگا کر بولی اور اسے بازو سے کھینچتے ہوئے کینٹین تک لے آئی۔

”میرے لیے تین سمو سے لینا، بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ رحمہ بیگ سے والٹ نکالتے ہوئے

مجھے کبھی لگتا ہے جیسے بھائی اس رشتے پر خوش نہیں ہیں۔ بھائی کا موڈ پھر کئی دنوں تک خراب رہتا رہا۔ اسی اور شدت سے یاد آتی ہیں۔ رات بھی بہت رونی ہوں میں۔“ رائے کی آواز بھرا گئی۔
ریشنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسا دیا۔ ”اچھا رونی ایک بات بتا، تمہیں کوئی یاد کیسے آتا
”دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں میں لڑکیاں اپنے گھروں کو یاد کر کے رونے لگ جاتی ہیں۔ کھانا پینا پھوڑ دیتی ہیں۔ چپ
منہ لیٹ کے چارپائی پر لیٹ جاتی ہیں مگر میرے ساتھ تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔“
ریشنا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”مطلب تجھے اپنا گھر یاد نہیں آتا؟“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”آتا ہے بہت آتا ہے۔ ایسے ہی تو میں ہر شے گھر نہیں بھاگ جاتی
وایسے نہیں آتا جیسے دوسری لڑکیوں کو آتا ہے۔ جسے رونی کو اس کی امی یاد آتی ہیں۔“
رائے نے اس سے مسکرائی۔ ”تو پھر خدا کا شکر ادا کیا کرو اور دعا کیا کر کہ تجھے بھی ایسے کوئی یاد آئے بھی
ہو۔ جب بچے امی یاد آتی ہیں تو میرا دل انتہا سے زیادہ ادا ہو جاتا ہے۔ ان کی تصویر ذہن سے نکلتی
ہے اور میں اسی کے ہوجاتی ہوں کہ رونی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔“
رحمہ دم بخود اس کی بات سن رہی تھی۔ اور آنے والا وقت مسکرایا تھا۔

☆.....☆

”گڈ مارننگ!“ وہ اونچی آواز میں سلام کیا۔ اس کے سامنے آکر گھاس پر گر گیا۔ رحمہ سچ مچ ڈر گئی۔
”جب میرا بھائی ایسی واہیات حرکتیں کرتا ہے تو میں اسے جاہل کہتی ہوں۔“ اسے غصہ آیا۔
”تم مجھے خوشی جاہل کہہ سکتی ہو حالانکہ میں تمہارا ”خالی“ نہیں ہوں۔“ اوئیں لفظ بھائی پر زور دیتے
ہے بولا۔

”تمہاری بہن کینٹین تک گئی ہے۔ جاؤ وہاں جا کر مل لو اسے۔“
”تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری بہن میرے ہی گھر میں رہتی ہے۔ یہاں تو میں تم سے
آیا ہوں۔“ اوئیں کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”دیکھو!“ وہ انکی اٹھا کے بولی۔
”دکھاؤ۔“ وہ اسی لمحے میں پھیلی پر اپنا چہرہ رکھ کے بولا تو رحمہ ایکدم سرخ ہو گئی۔ اوئیں نے بڑی
تیزی سے اس کا چہرہ حفظ کیا۔

”اوئیں میں چھوٹے شہر کی لڑکی ہوں اور بقول تمہارے کم ظرف بھی ہوں۔ غصہ بھی جلدی آتا ہے
کسی دن ایک آدھ چڑیا نہ تمہارے تو مجھے مت کہنا۔“

اوئیں اس کے انداز پر قہقہہ لگا کے ہنسا۔ ”تمہارا تعلق دہشت گردوں سے تو نہیں ہے لڑکی۔“
رحمہ کچھ نہ بولی۔ یہی بانی دونوں سمو سے اور کوئلڈر تک لے کر آگئیں۔ رحمہ کی پلیٹ دیکھ کے اوئیں کی
اکھ گئی۔ ”میں تمہارے ساتھ کھالوں۔ اتنے سمو سے کیسے کھاؤ گی؟“

اوئیں آگے کو ہوا تو رحمہ نے اپنی پلیٹ اٹھالی۔ ”خبردار جو میری پلیٹ میں ہاتھ مارا تو۔ زہر لگتی ہیں
یہ عادتیں۔“
اوئیں نے ہنسنے ہوئے ریشنا کی پلیٹ اپنے آگے کر لی۔ اس کی آدھی پلیٹ خالی کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”خالی پیٹ سمو سے نہ کھایا کرو گی۔“ ریشنا اسے پلیٹ پکڑاتے ہوئے بولی اور کونے میں رکھی خالی
کی طرف آگئی۔

رحمہ نے پلیٹ میز پر رکھتے ہوئے کرسی پیچھے کو گھسیٹی اور ابھی پوری طرح بیٹھی بھی نہ تھی کہ وہی کرسی کسی
اور نے گھسیٹی لی۔ وہ ایکدم زمین بوس ہوئی۔ کرسی گھسیٹنے والا بھی ایکدم بڑبڑا کر پلٹا تھا۔ رائے نے اسے
سہارا دے کر اٹھایا اور اس کے کپڑے جھاڑے۔ رحمہ نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا۔

”سواری مجھے پتا نہیں چلا۔“
”باقی تو سارا کچھ پتا ہے تمہیں آنکھوں کے اندھے انسان۔ بس تمیز سے کام کرنے کا ہی نہیں پتا۔“
رحمہ کا بارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

”کہتا تو ہے سواری.....!“ لڑکا بھی شاید غلطی پر شرمندہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔
”جھاڑ میں مٹی تمہاری سواری۔ آج جا کے چشمہ لگاؤ تاکہ آنکھیں کھلیں تمہاری۔“ ریشنا نے اسے بمشکل
چپ کروایا اور وہ انکی بھیجی ہوئی مٹی کی لڑکا پھر بول پڑا۔ ”ویسے بڑی سی کم ظرف دوست ہے تمہاری ریشنا۔“
رحمہ اس پر تڑپے دوڑی۔ ”کم ظرف کا مطلب بھی پتا ہے تمہیں بد میز انسان۔“ ریشنا نے بازو سے پکڑ
کے لڑکے کو آگے دھکیلا۔ اچھا خانا جمع لگ گیا تھا۔

”اوئیں جاؤ یہاں سے۔“ رحمہ کی ڈوب کا رخ ایکدم ریشنا کی طرف ہو گیا۔
”یہ بد میز آخر لگتا کیا ہے تمہارا جو اتنا فنی ہو سہی ہو اس سے۔“

”بھائی ہے میرا۔“ رحمہ ایکدم حیران ہوئی۔
”یہ بھی میں کہوں اس کی زبان کیوں نہیں رکھتی؟“ رحمہ کی بات سن کے اوئیں چپ نہ رہ سکا۔ ”ہاں
تمہاری تو رک گئی جیسے۔“

”اوئیں بھائی پلیز۔“ رائے نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ وہاں سے چلا گیا لیکن اپنی کوئلڈر تک
ختم کر کے جب واپس جانے لگا تو رحمہ کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی من مسموموں والی پلیٹ پر
چوٹ کر ہی گیا۔ ”لگتا ہے کھایا پیا ضائع ہی جاتا ہے۔“

”تمہارے پیٹ سے نہیں کھاتی ہوں بد میز انسان.....“
ریشنا اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اسے وہاں سے لے کر گئی اور اوئیں مسکراتے ہوئے اسے تب تک
کھڑا دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔
کچھ تو ہوا تھا۔

☆.....☆

”خیریت ہے بڑی چپ چپ ہو آج؟“ وہ تینوں گراؤنڈ میں بیٹھیں اسائنمنٹ بنارہی تھیں جب رحمہ
نے محسوس کر کے رائے سے پوچھا۔

”بس یار ایسے ہی رات بھر بھائی اور بھابی کا جھگڑا ہوا ہے۔“ رائے بوجھل سے لہجے میں بولی۔
”کیوں؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”پتا نہیں بھائی کیا جانتی ہیں۔ خواہ وہ ہی فضول سی بات پر جھگڑا کر کے بیٹھ جاتی ہیں۔“ رائے کندھے
اچکاتے ہوئے بولی۔

اور حمد کی لرزتی پلکوں اور سرخ ہوتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
 رشنا اور رائے دونوں چپ رہ گئیں۔ حمد کی برداشت شاید ختم ہو گئی تھی۔ تبھی فائل اور بیگ اٹھائے
 ہوئے یکدم کھڑی ہو گئی۔ ”روٹی رک کہاں جا رہی ہے؟“ دونوں اس کے پیچھے بھاگیں۔
 ”پتا ہے نائیک نمبر کا لفنگا ہے وہ۔ پھر کیوں سیرئیس لے لیتی ہے اس کی باتوں کو؟“ رشنا اس کے برابر
 آ کر بولی۔

”روٹی آخر ایسی باتوں سے اس کا مقصد کیا ہے؟ چاہتا کیا ہے؟“ حمد کی آواز اونچی ہو گئی۔
 ”تمہیں جیسے کچھ پتا ہی نہیں ہے نا۔“ بڑے جذب سے کہتا وہ اس کے پاس سے گزر گیا تھا۔ حمد
 ماکت کھڑی رہ گئی۔
 اولیس کی آنکھیں اس قدر داستانیں سن رہی تھیں کہ لمبے ناکافی ہو گئے تھے۔

☆.....☆

آج پہلی بار صبح آٹھ بجے تھی اور وہ تیار ہوتے ہوئے کافی لیٹ ہو گئی۔ آٹھ بجنے میں پانچ منٹ
 تھے جب وہ بیگ اور فائل اٹھا کر بھاگتے ہوئے ہاسٹل گیٹ سے باہر نکلی۔ ”حمد رکو۔“ اولیس پتا نہیں کب
 سے اس کے انتظار میں باہر کھڑا تھا۔

حمد اس کی سرخ خواتین آنکھوں سے نظریں چرا گئی۔ ”مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہیں اتنی گھٹیا حرکتیں بھی کرنا
 آتی ہیں۔“ وہ کہتے ہوئے رکی۔

”کون سی گھٹیا حرکتیں؟“ اولیس مزے لیا۔
 ”یہی صبح ہاسٹل کے باہر کھڑے ہونے کی کوشش کرنے والی۔“ وہ دوبارہ چل پڑی۔

”لڑکی میرا منہ مت کھلاؤ۔“ اولیس اس کے جھلکے ہوئے بولا۔

”کیوں آئے ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”کل جو ہوا اس کے لیے معافی مانگنے۔“ وہ بولا۔

”ٹھیک ہے معاف کیا۔ جاؤ اب۔“ اس نے جان چھڑوائی۔

”اگر آئندہ بھی دوبارہ بھی ہوا تو معاف کر دو گی ناں؟“ اس نے پوچھا۔

”اولیس تم آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟“ وہ جھلائی۔

”اب لائف میں کسی نہ کسی کے پیچھے تو پڑنا ہی ہوتا ہے نہ ڈیر۔ اس نیچر۔“

وہ ایکدم رکی۔ ”پر میں ہی کیوں؟“

اولیس ذرا سا آگے کو ہوا اور بولا۔ ”اس کا جواب تو ابھی تک مجھے بھی نہیں ملا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں
 مایک رہا تھا۔

حمد اسے پیچھے کودھکیاتی اٹھل پھل ہوئی سانسوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

”حمد یا رجمیں دیکھے بغیر میری من نہیں ہوتی اب۔“ وہ پیچھے سے چلایا۔

”بکواس بند کرو۔“ حمد نے کان بند کر لیے۔

بے چارہ دل کیا کرے جب سامنے والا کان بند کر لے۔

☆.....☆

رشنا اس کا انداز بھانپ گئی۔ ”اولیس خدا کے واسطے ان سے نہ چھیڑنا۔“ لیکن اولیس اسے چھیڑنے ہی تو آتا
 تھا۔ ”میں جبریں ہوں کہ آخر یہ اتنے سمو سے اسٹور کہاں کرتی ہے؟“
 ”رشنا یہ کیل ہو جائے گا کسی دن میرے ہاتھوں۔۔۔۔۔“ حمد حلق کے بل چلائی تھی۔ اولیس ہنستا ہوا وہاں
 سے چلا گیا۔

☆.....☆

وہ اپنی کتابیں سیٹ کر رہی تھی جب اولیس اسے پکارتا ہوا اندر آیا۔

”کیا ہو گیا ہے؟“ وہ اس پر برس پڑی۔

”تمہاری دوست کیوں نہیں آئی آج؟“

رشنا اس کی بے تابیوں پر حیران رہ گئی۔ ”کیونکہ آج ہفتہ ہے اور وہ فرامی ڈے ٹائٹ ہی گھر چلی گئی
 تھی۔“

”اوہ لیس، اوہو۔“ کہتا ہوا اس کے بستر پر گر گیا۔

”اولیس مجھے تمہاری حرکتیں ٹھیک نہیں لگ رہیں آج کل۔“ وہ اپنے سے دو سال بڑے بھائی کو ڈپٹ
 رہی تھی۔

”ہاں مجھے خود بھی ایسی ہی لگتا ہے آج کل۔“ اولیس کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

”کیا ارادے ہیں مسٹر۔“ رشنا ٹھکراتے ہوئے بولی۔

”قسم سے بہت ٹیک ہیں۔“ وہ خود بھی ہنسا۔

”رشنا بالفرض اگر میں خود کو نہ روک سکا اور میری بیوی بچہ گئی تو تم ساتھ دو گی ناں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

”اولیس لال مرچ ہے وہ جتنے چھڑوا دے گی تمہارے۔“ رشنا نے اسے ڈرایا۔

”کوئی نہیں آنسوؤں سے نکل لوں گا۔“ اولیس ہنستے ہوئے بولا۔

اور واقعی اس نے اولیس کے چمکے چھڑوا دیئے۔

☆.....☆

”کیا ہو رہا ہے لڑکیوں؟“ وہ تینوں ڈی گراؤنڈ میں بیٹھی تھیں جب اولیس ان کو ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچ
 گیا۔ لفظ لڑکیو پر حمد تلملا گئی۔ ”کتنی بار کہا ہے تمہیں کہ یوں نہ کہا کرو۔ برا لگتا ہے۔“

اولیس کھل کے ہنسا۔ ”تمہیں کیوں برا لگتا ہے تم لڑکی نہیں ہو کیا؟ یا پھر تم کچھ اور۔۔۔۔۔“ کہتے ہوئے اس
 نے معنی خیز انداز میں حمد کو دیکھا۔

حمد نے جل کے اس کے کندھے پر فائل ماری۔ ”رشنا اسے کہو ہمارے پاس آ کر مت بیٹھا کرے۔“

اولیس نے بڑی فرصت سے اسے دیکھا۔ ”اچھا پھر کہاں بیٹھا کروں؟“

رحمیا نے بے باک سوال پر بول بھی نہ کی۔

متوقع جنگ کے پیش نظر رشنا نے اولیس کو جھڑکا۔ ”جاؤ یہاں سے، دفع ہو جاؤ۔“

اولیس نے ہشکل اس کے سرخ چہرے سے نظریں ہٹائیں۔ ”اتنا فضول نہ بولا کرو۔“ رشنا نے بازو
 سے پکڑ کے اولیس کو وہاں سے اٹھایا۔

”اوہو ابھی تو میں کچھ بولا ہی نہیں ہوں تو یہ حال ہے۔ جس دن کھل کے بول دیا اس دن کیا بنے گا؟“

”یوتھ فیسٹیول کا آغاز ہوا تو یونیورسٹی کی فضا ہی بدل گئی۔ وہ تینوں بھی گیارہ بجے تک کلاسز لینے کے لیے آوارہ گردی کرنے نکل جاتیں۔ لڑکے لڑکیوں پر فقرے کنسارحمہ اور رشنا کا پسندیدہ کام تھا۔ رات بابتہ کاموں میں ذرا پیچھے رہتی تھی اس دن بھی وہ مین کارڈور میں بیٹھے کسی کپل کی درگت بنا رہی تھیں۔ رات نے بازو سے پلڑے کے رشتا کو تھوچ لیا۔

”روشنی دیکھو ذرا۔“ کچھ فاصلے پر دو لڑکے نکل اسپنڈ وائٹ نکالتے ہوئے کپل ڈانس کر رہے تھے۔

”یہ مجھے بھی کرنا آتا ہے۔“ رشنا فوراً یکسا پکڑ ہوئی۔

”اسے ایسے کرتے ہیں۔“ اس نے پاس کھڑی راتمہ کا بازو پکڑا۔

”دفعہ دور، خبردار جو میرے ساتھ ایسی وباہیات حرکتیں کرنے کا سوچا بھی تو۔“ راتمہ نے فوراً اپنا بازو جھڑ دیا۔

”روحی ادھر آ۔“ اس نے رحمہ کو کھینچ لیا جو زچ کر کر کے اس کپل کو وہاں سے اٹھا چکی تھی۔

”روحی میری لپٹی پکڑ۔“ کہتے ہوئے وہ خود اس کے قریب ہوئی۔

”عاشقی تو بے لگائی کی پیارو، تمہارا کوئی چانس نہیں ہے۔“ رحمہ ابھی تک اس کپل میں ہی پھنسی ہوئی تھی۔

”میرے کندھے پر ہاتھ رکھو۔“ کہتے ہوئے رشنا نے اپنا ہاتھ رحمہ کی کمر کے گرد رکھا اور دو تین اسٹیپ لے کر اسے خود سے دور کیا۔ اب بڑی طرف آ۔ اسے زور دیا جھٹکا دیتے ہوئے آخر میں اپنی طرف کھینچا اور رحمہ جیسے ہی اس کی طرف آئی خود بخود اس کی سانس سے ہٹ گئی۔ رحمہ تو ویسے بھی ڈنڈی طور پر حاضر تھی سب سے بڑی فرصت اور بے تکلفی سے کارڈور میں کھڑی چڑھے موصوف کے گھل میں بھول گئی۔ موصوف بھی شاید اس صورت حال کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کا ہاتھ پھیلا اور رحمہ سمیت تین میٹر حیاں عبور کرنا، وہ زمین پوس ہو گیا۔ راتمہ اور رشنا ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔

”عاشقی 2 نہ سہی ڈارلنگ لیکن عاشقی 3 تو نہیں ہے۔“ اس نے کپل چوت کرنا ہوا پاس سے گزر گیا۔ رحمہ شیر کی طرح اس کے چنگل سے نکلی۔ ”دیکھ کے نہیں چل سکتے تھے۔“ رشنا تیزی سے رحمہ کی طرف آئی جسے شرمندگی سے پسینہ آ گیا تھا۔

”میں دیکھ کے ہی چل رہا تھا میڈم، یہ میرے گلے کا بار بنی ہیں۔“ رشنا ایلینڈ جیسے ہوئی۔

”بہر حال سوری فار آل دس۔“ وہ کپڑے جھاڑتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

”تو ٹھیک ہے ناں!“ رشنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

رحمہ جواب نہ دے سکی اس نے نظریں گھما کے کارڈور کی طرف دیکھا وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

☆.....☆

کچھ تو ہوا تھا۔

”کل کیا ہو گیا تھا تجھے۔“ اگلے دن اسے دیکھتے ہی رشنا کا پہلا سوال یہ تھا۔

”کیا ہوا تھا۔“ وہ حیران ہوئی۔

”گوگوگوں کی فوٹو کاپی کیوں بن گئی تھی؟“ رشنا کی سوئی کل سے وہیں ابھی ہوئی تھی۔

”تو اور کیا کرتی تھی۔“ دل کیر رہا تھا زین پیٹھے اور میں اس میں سا جاؤں۔ اتنی شرمندگی تو بہ۔“ رشنا

کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ ”مجھے راتمہ نے اس کا بازو کھینچا۔“ ”روحی یہ ہی تھا وہ۔“ ”وہ رحمہ کا رشتہ

از کے آفس کی طرف کرتے ہوئے بولی۔

”ارے ہاں تو وہی ہے۔ یہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا ہے۔“ رشنا حیرانی سے بولی اور تصدیق کے لیے راہی پاس سے گزرتی ایم فل کی ایک اسٹوڈنٹ کو پکار لیا۔

”صالحہ آئی! پلیز بات سنیں گے۔ یہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا اسٹوڈنٹ ہے۔“ صالحہ نے رک کے اسے دیکھا۔

”ہاں ایم فل کر رہا ہے ایک سمسٹر ضائع ہو گیا تھا اس کا اس لیے انٹر سمسٹر آیا ہے۔ نادیہ کا کزن ہے

”صالحہ نہ جانے کیا کچھ بتا رہی تھی۔“

”کون نادیہ؟“ رشنا نے سب کچھ آج ہی اگلوانا تھا۔

”وہی آرٹیفشل منڈی اور کون۔“ صالحہ منہ بنا کر آگے بڑھ گئی۔

رشنا نہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ رحمہ کچھ بھی نہ سن سکی۔ اس کی نظریں جیسے سراجاز کے آفس سے

”کون کہاں؟“ ”میرا کہاں؟“ ”دو دن ہو گئے ہیں تمہاری شکل دیکھو۔“ ”اولیں نہ جانے کہاں کہاں سے

اس کے پیچھے خواہنا آتا تھا۔

”ایک تو میرا ڈیپارٹمنٹ دوسرے کو نے میں ہے۔ آنے جانے میں ہی ناگوں کا فالودہ نکل جاتا ہے۔“ ”اویس نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ چند لمحوں کو تو وہ سمجھ ہی نہ سکی۔

”میں..... کیا کہہ رہی ہوں۔“

اس کے انداز پر اویس کس گیا۔ ”ہو گیا تھا اسے دو دنوں میں؟“ رشنا اسے دیکھ کر بڑبڑائی۔ رحمہ نے دوبارہ سراجاز کے آفس کی طرف دیکھا۔ وہ اب وہاں نہیں تھا۔

اس کا دل بوجھل ہو گیا۔

☆.....☆

”روحی! اٹھ میرے ساتھ چل۔ سردانیال سے نوٹس لینے ہیں۔“ وہ سبھی ہے اسائنمنٹ بنائی رشنا کا کندھا ہلاتے ہوئے بولی جس نے صاف انکار کر دیا۔

”کوری ناں ہے۔ میرے پاس سر کھانے کا ٹائم بھی نہیں ہے کبھی اور خبردار جواب اپنی لوہے جیسی

الکھیاں میرے کندھے میں چھو میں تو نے۔“ رحمہ کا منہ بن گیا۔

”روحی کو لے جا۔ فارغ بیٹھی پریشان ہو رہی ہے۔“ رشنا نے راتمہ کی طرف اشارہ کیا جو ایک گھنٹے سے

اپنی اور رحمہ کی اسائنمنٹ میں کوئی ایک کام پوائنٹ ڈھونڈنے کی کوششوں میں تھی اور اب تک ناکام تھی۔

”چل روحی اٹھ۔“ اس نے بازو سے کھینچ کر راتمہ کو اٹھایا۔

”روحی یا میری اسائنمنٹ تو بالکل مختلف ہے۔ میں نے تو نہ جانے کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔“ راتمہ پوری

شرح اپنی پریشانی میں مبتلا تھی۔

”مے آئی کم ان سر؟“ دروازے پر دستک دینے کے بعد اس نے پوچھا۔

سردانیال اور ان کے سر ہانے کھڑا اسٹوڈنٹ دونوں کسی فائل میں غرق تھے۔

”ہیں۔“ انہوں نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

وہ دونوں اندر آ گئیں۔ ”ایکسیکوزی سر۔“ رحمہ بولی۔

انہوں نے فائل سے سر نکالا۔
”سر مجھے فریکل.....“ میں اسی لمحے رحمہ کی نظر ان کے پاس کھڑے اسٹوڈنٹ پر پڑی۔
بس ایک لمحہ..... اور وہ ہر شے بھول گئی۔
اپنا آپ..... برابر کھڑی رائے..... سامنے بیٹھے سردانیال..... سب کچھ بس یاد رہا تو وہ.....!
وہ جو اسکاٹی بیلیوشرٹ اور بلیک پیٹھ میں ملبوس ہوئے ہوئے مسکرا رہا تھا۔
بس وہ.....

”رحمہ کیا چاہیے؟“ سردانیال نے پوچھا۔
رحمہ چپ..... رائے نے اسے ٹھوکا دیا۔ ”اب بول بھی دے کیا چاہیے؟“ رحمہ پھر چپ.....!
اب گئے انہوں نے ڈائریکٹ رائے سے پوچھا۔ ”کیا مسئلہ ہے؟“
رائے کا منہ کھل گیا۔ اس کے تو فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ وہ یہاں کیوں لائی گئی۔ ”سوری سر کوئی مسئلہ نہیں ہے سوری۔“
”بہتر آتے ہی یہ رائے کی مانی لے کر اس پر چڑھ دوڑی۔“ یہ کیا بد تئیزی ہے؟ کیا لینے آئی تھی تو یہاں؟“
رحمہ خالی خالی نظروں سے سردانیال کے آفس کو دیکھ کر رہ گئی۔
”کیا..... کیا مگر کدو دیکھ رہی ہے اب؟“ توبہ ہے رومی جب کچھ نہیں لینا تھا تو یہاں آئی کیوں تھی تو.....؟“
رائے مسلسل بڑبڑاتے ہوئے دائیں بائیں لگا۔
رشنا اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر ہی پریشان ہو گئی۔ ”تجھے کیا ہو گیا؟“ وہ جانتی تھی کہ رائے کو غصہ کم ہی آتا تھا۔
”پہلے مجھے یہ پتا کہ یہ بھلکھو وہاں کیا لینے گئی تھی۔“
رائے بھڑک کے بولی۔ ”فریکل کے ٹوس۔“
رشنا بولی۔ ”اور آفس کے اندر جا کر یہ مومو کی اولاد بول گئی کہ اسے کیا لینا ہے۔ بھائی مجھ سے پوچھیں اور میرے فرشتوں کو بھی نہ پتا ہو، توبہ اتنی شرمندگی کہ حد نہیں، اب بس چل جائے گا۔“
”مجھے۔“
رحمہ چپ چاپ منتی رہی۔ رشنا کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”میں اسے کچھ بوا ہے۔ یہ پرسوں سے ایسی ہی ہے۔“
کچھ نہیں، شاید بہت کچھ ہو گیا تھا۔

☆.....☆
صبح سے پچھلے کارڈیور کے تین چکر لگا چکی تھی مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ اب بھی وہ ان دونوں سے نظر بچا کر پچھلے کارڈیور میں آگئی۔ سرانجام اور دوایب اسٹنٹ کے ساتھ وہ اسے بالکل سامنے بیٹھا نظر آیا۔
اس کا دل یکدم خوشی سے بھر گیا۔ ارد گرد سے بیگانہ ہو کر وہ ٹھنکی بانہہ کے اسے دیکھے گی۔ وہ بہت زیادہ خوب صورت نہیں تھا مگر انتہا کار کشش تھا۔ رحمہ کے دیکھتے دیکھتے اسے کال آئی۔ سیل کان سے لگا تا وہ اٹھ کے گراؤنڈ کے گرد بنی سبز باڑی طرف آگیا۔ رحمہ یکدم اس میں کھوس گئی۔ بیلیو جینز اور اسکاٹی بیلیوشرٹ میں ایک ہاتھ سے سیل کان کو لگائے اور دوسرے ہاتھ سے پتے نوچتا وہ اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا تھا۔
اچانک رشنا کی تیز آواز نے اس کی محویت کو توڑا۔ ”تو پھر یہاں آگئی؟“

رحمہ پریشان ہو گئی۔
”روحی آخر تیرا کیا ہو گیا ہے یہاں؟ مجھے بتائیں ڈھونڈ دیتی ہوں۔“ رشنا نے اپنا سر پیٹ لیا۔
”کال سننے آئی تھی۔“ وہ بولی۔
”ہاں تیری تو ہتیلیوں میں ٹراسمیٹر فٹ ہیں ناں۔ جھوٹی فون تو میرے پاس ہے تیرا۔“
رحمہ شرمندہ ہو گئی۔
”رحمہ۔“ رشنا نے اسے دونوں کندھوں سے تھاما۔
”کیا مسئلہ ہے؟“ رحمہ نے بمشکل خود کو نارمل کیا۔
”روشنی کچھ نہیں ہے۔“ وہ مسکرا دی۔
”چل پھر سینٹر سسٹر کے لیے مائنز چیکس دیکھیں۔“ رشنا نے اس کا بازو پکڑ کے کہا۔
”ٹوس پورنا سے چیکس نوٹ کر کے وہ تینوں یب میں آگئیں۔
”میں نے کام مکمل کیا ہے۔“ وہ بولی۔
”فریکس ڈیپریٹسٹ میں جانا پڑے گا رومی۔“ رائے نے فقط اٹھایا۔ ”اور ہو سکتا ہے اعتراض بھی لگ جائے۔ پورا ایک سسٹر ضائع ہو جاتا ہے۔“ رشنا نے اسے سمجھایا۔
”مجھے شروع سے اچھی لگی ہے کہ سسٹر صرف اسی لیے میں نے فریکل رکھی ہے۔“ رحمہ ہنست تھی۔
”جادغ ہو رکھ لے کو انٹیم، جب کہ سسٹر کی فیس بھرنی پڑی تو لگ پتا جائے گا۔“ رشنا کو غصہ آ گیا۔
”ایکسکو زمی۔“ اس کی آواز پر رحمہ کرنٹ لگنے لگی۔
”کون رکھ رہا ہے کو انٹیم۔“ اس نے پوچھا۔
”میں رکھ رہی ہوں۔“ رحمہ بمشکل بولی۔ وہ آج پہلی بار اس سے خطاب ہوئی تھی۔ اس کا مشہور زمانہ انداز ایک دم کہیں اڑ چھو ہو گیا۔ دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی۔
”برامت مایے گا مگر آپ نے کیا قسم کھائی ہوئی ہے کہ سارے کام پاھوں والے ہی کرنے ہیں۔“ وہ اٹھ اٹھا تھا۔ رحمہ بول نہ سکی۔
”بہت نیک مشورہ ہے میرا کہ کو انٹیم نہ رکھیں۔ میں نے بھی اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کو انٹیم رکھ لی تھی مگر آگے چل کے اتنا مسئلہ بنا کہ حد نہیں۔ پورا ایک سسٹر ضائع ہو گیا۔ اب بھی جب اپنے کلاس ملاؤ خود سے آگے دیکھتا ہوں تو بہت دکھ ہوتا ہے۔“ اس کی بات ابھی جاری ہی تھی کہ اس کے کسی دوست نے اسے پکار لیا۔
”سعدین۔“ اسے آنے کا اشارہ کر کے وہ دوبارہ رحمہ کی طرف مڑا۔
”نہ رکھیں کو انٹیم، CLT (ٹیکسٹائل) رکھ لیں۔ میں نے بھی یہ ہی رکھی تھی۔ بانیو سے تو بہتر ہے۔“
”مجھے ہونے وہ باہر نکل گیا۔ رحمہ ساکت کھڑی رہ گئی۔ رشنا نے کچھ لمحے اس کے بولنے کا انتظار کیا۔
پھر اس کی خاموشی کو اس کا ڈھیٹ پن سمجھتے ہوئے بولی۔ ”رومی ایک نمبر کی ضدی ہے تو۔“ ادھر سے روم۔
”کہتے ہوئے اس نے رحمہ کا فارم اپنے آگے کیا۔
”روشنی کو انٹیم نہ لکھ، CLT لکھ دے۔“ دونوں نے چونک کے اس کی طرف دیکھا۔

رشنا اور رائمہ دونوں نے اس کے بدلے ہوئے رویے کو شدت سے محسوس کیا۔ اس دن آخری پیپر تھا۔ ”تو نے گھر نہیں جانا؟“ رحمہ کو یوں کوریڈور میں لیٹ راسٹ کرتے دیکھ کر رشنا سے رہنا نہ گیا۔

”ہاں بس جارہی ہوں تھوڑی دیر میں۔“ وہ بولی۔

رشنا چند لمحوں کے پاس کھڑی رہی۔ پھر سیڑھیوں پر بیٹھی رائمہ کے پاس آ بیٹھی۔

”رومی! یہ روجی کچھ عجیب سی نہیں ہوگئی۔“ رائمہ نے زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہاں بالکل عجیب بالکل پاگل سی ہوگئی ہے۔ پہلے تو اس کا بس نہیں چلتا تھا پیپر چھوڑے اور گھر بھاگ جائے اور اب دو گھنٹے گئے ہیں پیپر ختم ہوئے اور یہ خواہناہی ٹائلیں بڑوائے جارہی ہے۔“

رائمہ اس سے سو فیصد مشتاق تھی۔ ”کچھ بتائی بھی تو نہیں ہے۔“ رشنا ٹھک آ کر بولی۔

”اولیں بھی پوچھ رہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟“ اس کی بات سن کر رائمہ نے ایک دم اس کی طرف دیکھا۔

”یہ بالکل مستحکم بھی آجکل مشکوک سی ہوگئی ہیں۔ کچھ ہوئی نہ جائے۔“

رشنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ ”ہونا کیا ہے؟ ہو گیا ہے۔“

He is love with her

رائمہ کا منہ کھل گیا۔ ”واقعی؟“ رشنا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ہاں جی موصوف اترتے پھر رہے ہیں آج کل۔“ رائمہ ہنسی۔

”رحمہ کو بتا ہے؟“ رشنا نے کندھے پر ہاتھ مارا۔

رائمہ اس کی طرف مڑی۔ ”وہ پرو پوز کر کے آئے تھے۔“

رشنا نے قہقہہ لگایا۔ ”جس دن تم نے نظر آیا مجھ کو، اس دن ہی اس کا نامہ کر کے آیا ہے۔“

رشنا کی بات یہ رائمہ کھل کے ہنسی تھی۔ ”جی رحمہ نے پیپر لکھ کر رشنا کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ ”اچھا ابھی میں جارہی ہوں۔“

ان دونوں نے نوٹ کیا کہ اس کا چہرہ ضرورت سے زیادہ ہی دمک رہا تھا۔ ”کون سا خزانہ مل گیا تجھے؟“ رشنا پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”کچھ نہیں اللہ حافظ۔“ ان دونوں سے گلے ملتی ہوئی وہ واپسی کے لیے مڑ گئی۔ وہ دونوں ہی نہ سمجھ سکیں کہ بات کیا ہے۔

☆.....☆

”روجی جلد ہی ڈپارٹمنٹ آ، سپروائزرز لائٹ ہو گئے ہیں۔“ وہ ابھی ہاسٹل پہنچی تھی کہ رشنا کی کال آگئی۔ کپڑے پہنچنے کیے بغیر وہ لٹے قدموں ڈپارٹمنٹ واپس آئی۔ ٹوس بوریڈ کے آگے جمع لگا ہوا تھا اور رشنا اس مجمع میں گھس چکی تھی۔ رائمہ اسے دھکا لگا کر آگے کر رہی تھی۔ ”رومی تیرا مل گیا یا ر۔۔۔۔۔“ رشنا کی آواز پر رائمہ اور آگے کو ہوئی۔ ”کون ہیں؟“

”سر رشید اکمل۔“ رائمہ کا منہ بن گیا۔

”اور رکھ آ کر نیک، یہ تو ہونا ہی تھا۔“ رحمہ نے اسے گھر کا۔

”روجی آگے ہو ذرا اپنا دیکھ۔“ رشنا نے اس کے لیے جگہ بتائی۔

”اب کیا ہو گیا؟“ رائمہ کی بھی ہنس ہوگئی۔

”کچھ نہیں، بس CLT ٹھیک ہے۔“ رشنا نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا۔ اس نے نظریں چرائیں۔

اب پوری دنیا بھی اسے کو اسٹم رکھنے کو کہتی تو وہ نہ رہتی۔

وہ جومع کر گیا تھا۔

☆.....☆

”سعدین ظفر۔۔۔۔۔!“ ساہیوال جیسے چھوٹے شہر سے تعلق رکھنے والی رحمہ ملک نے محبت تو کر لی لیکن اس قدر کم ہمت لگتی کہ پورے ایک سال میں صرف اس کا نام ہی جان سکی۔

شرم وہ حیا نے کچھ بولنے ہی نہ دیا۔

جھک نے آگے بڑھنے ہی نہ دیا۔

تجربہ سردیوں میں وہ صبح سات بجے ہی ڈپارٹمنٹ پہنچی ہوتی۔ صرف اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے۔

گرمیوں کے تپ دہل میں بے مقصد تین بجے تک کاریڈور میں چکر کاٹی رہتی۔ صرف اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے۔

وہ جیسے ہی دکھائی دیتا پھٹک جاتی۔ پلک تک جھپکنا بھول جاتی۔ قدم اٹھانا بھول جاتی۔

ہر چیز بڑے کے بعد فزیکل لیب ہا پھر جیسے ہی رفرس ہو گیا۔

اسے دیکھتے ہی کھل اٹتی۔ چہرہ گنار، دوپٹا، جس دن وہ نظر آ جاتا۔ سارا دن ٹکی کی طرح اڑتی پھرتی اور جس دن وہ نظر نہ آتا، اس دن بات کرنا بھی جرم سمجھتی۔

صبح وشام اس کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد رہ گیا۔

سعدین کو دیکھنا۔۔۔۔۔

ہر روز دیکھنا۔۔۔۔۔

بار بار دیکھنا۔۔۔۔۔

ہر وقت دیکھنا۔۔۔۔۔

بس دیکھتے ہی رہنا۔۔۔۔۔

اور بس یہی اس کی حد تھی۔ اس سے ایک انچ بھی باہر نہ نکل سکی۔ سعدین سے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔

اس سے پیار کرنے کی ہمت تھی۔

صبح وشام اس کے خیالوں میں جینے کی ہمت تھی۔ اسے دیکھتے ہی دنیا جہان بھول جانے کی ہمت تھی۔

رات کے اندھیرے میں رو رو کر اسے خدا سے مانگنے کی ہمت بھی تھی۔

لیکن

اس سے ایک بار حال دل کہنے کی ہمت نہیں تھی۔

☆.....☆

رائہ ایک دم اس پر ٹوٹ پڑی۔
”اب یہ ایم فل کے نوٹس تو نے سر میں مارنے ہیں کیا؟“

رحمہ چپ رہی۔
”مجھے بتائیے یہ کیا کرے گی ان کا۔ اچا رہنا ہے گی اور اپنی عقل کو رو کر کھائے گی۔“ رشنا کو تو ویسے بھی وہ پاگل لگنے لگی تھی۔
رحمہ اس کی بات سن کے چپ چاپ ہاسٹل واپس آ گئی۔ آج پورا دن اسے سعدین نظر نہیں آیا تھا۔ دل بوجھل ہوا جا رہا تھا۔ اس سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔ شام کو پڑھنے بیٹھی تو فائل سے سعدین والے نوٹس بھی نکلے۔ وہ چپ چاپ بیٹھی انہیں دیکھتی رہ گئی۔ سینکڑوں دفعہ سعدین کے نام پر انگلی پھیر لی۔ ہزاروں دفعہ اس کا نام سرگوشیوں میں لے لیا۔ دل بیٹھنے لگا۔ آنسو حلق میں اٹکنے لگے۔ آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگیں۔ دل بری طرح دھبی ہو رہا تھا۔ سعدین کی یادیں غبار بن کے اس کے ذہن پر چھانے لگیں۔ فزیکل کے وہ نوٹس جیسے سعدین کی فوٹو ایم بن گئے۔

بلیک پنڈ اور آف وائٹ شرٹ.....

اسکاٹی بلر سر اور بلیو جیز.....

گرے شرٹ اور بلیک منٹ.....

بلیک جینز اور وائٹ شرٹ.....

سفید شلوار میٹس.....

گرے شلوار میٹس.....

زنگ شلوار میٹس.....

وہ اپنے آپ میں منہ کھولے حیران بیٹھی رہا۔ اسے سعدین کا ہر سوٹ رنگ کے ساتھ ازبر ہو چکا تھا۔ اس نے ایک دم نوٹس ایک طرف جھینکے۔ سر جھیکے اور الٹا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ گرم گرم آنسو گالوں پر سے رستہ بناتے ہوئے بالوں میں گم ہوتے چلے گئے۔
اب سمجھ آیا اسے..... کہ کوئی یاد کیسے آتا ہے۔

اور یاد آ جائے تو پھر بھلایا کیسے نہیں جاتا۔

اب سمجھ آیا کہ کوئی یاد آئے تو رونا کیوں آتا ہے؟

اسے سعدین یاد آ رہا تھا۔ انتہائی شدت سے۔ اس نے اوپر تک رضائی اوڑھ لی۔ سسکیاں روکنا دو بھر ہو رہا تھا۔ یونہی روتے روتے وہ نہ جانے کب سو گئی۔

☆.....☆

اس دن وہ تینوں سیمینار اٹینڈ کر کے باہر نکلیں تو ایم فل کی نادیہ لپک کے رشنا کے قریب آئی۔ ”اپنا ٹاپک دکھانا۔“

رشنا نے فائل اس کے آگے کر دی۔

”تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے سراجاز کے پاس۔“ ٹاپک دیکھنے کے بعد نادیہ نے رحمہ کے کہنی ماری۔

”ٹھیک ٹھاک ہے سب کچھ۔“ وہ بولی۔

”روشنی تیرا کون ہے؟“ رائہ ماتم کرتے ہوئے بولی۔
”آآآ.....“ رشنا کی چیخ پورے ڈیپارٹمنٹ میں گونج گئی۔ رحمہ کا بازو دھچکتے ہوئے وہ مجمع سے باہر آئی۔

”کیا ہو گیا؟“ رائہ حیران پریشان کھڑی تھی۔ رشنا ایک دم اس سے لپٹ گئی۔ ”میرے اور روجی دونوں کے سر دانیال ہیں۔“ خوشی کے مارے اس کی آواز بیٹھنے کے قریب تھی۔
”واؤ۔“ رائہ اپنا دکھ بھول کے رحمہ کے گلے لگ گئی مگر رحمہ.....! وہ خوش نہیں تھی۔ کیونکہ سعدین، سر دانیال کے پاس نہیں تھا۔ ایم فل فزیکل کے سارے لڑکے سراجاز کے پاس تھے۔ اس کا دل ایک دم بجھ گیا۔
”روشنی کیا ہوا؟ خوشی نہیں ہوئی تھی؟“ ان دونوں نے محسوس کیا۔
”ہوئی ہے مگر.....!“ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
”مگر کیا روشنی؟“ دشنا آگے کو آئی۔

”مجھے اپنا سپر وائزر تبدیل کروانا ہے۔“ اس کی بات پر رشنا اور رائہ دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ ”روشنی تیرا دماغ فارمیٹ کرنے والا ہو رہا ہے۔ یہ نیا وائرس کہاں سے آ گیا اب پیچھے میں۔“ رشنا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اس سے ایک آدھ جڑ ہی دے۔ رحمہ چپ رہی۔
”اور تبدیل کروا کے کمال جانا ہے؟“ رشنا نے ہشکل اپنے غصے کو کنٹرول کیا۔
”سراجاز کے پاس۔“ مارے صدمے کے رشنا گنگ ہو گئی۔ آنکھیں پھاڑے مگر ٹکرا سے دیکھتی رہ گئی۔
”کیا ہو گیا ہے تجھے۔“ رشنا نے ہشکل نظر کہتا ہے سراجاز کو۔ طے مار مار کے چٹائی کر دیں گے تجھے۔
لڑکیوں کو تو ویسے بھی قبول نہیں کرے۔ وہ.....! اوپر گر بیٹھیں گے طے۔ ہر وقت کی ڈانٹ، خوار ہو جائے گی تو۔“ رائہ اسے پورے جس منٹ سمجھاتی رہی۔ رشنا بس آنکھیں پھاڑے منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔ آخر تھک ہار کے اس نے سر ہلاتا ہوا وہ سراجاز کے آفس کے باہر کھڑا کسی لڑکے سے باتیں کر رہا تھا۔ رحمہ ایک دم سب بھول گئی۔ رائہ کی ایک دم ذہن سے اڑ چھو ہوئی۔
”میں نے سراجاز کے پاس ہی جانا ہے۔“ کہتے ہوئے مگر آفس کی طرف بڑھ گئی۔ رائہ دکھ کی انتہا کو پہنچی ہوئی رشنا کو دیکھ کر رہ گئی۔

☆.....☆

اور پھر واقعی دو ہفتوں بعد اس نے اپنا سپر وائزر تبدیل کروا لیا۔ رشنا اور رائہ دونوں اس کی عقل پر ماتم کرتی رہ گئیں۔ اس دن بھی کلاس لینے کے بعد وہ سب فوٹو شاپ پر آ گئیں۔ رحمہ اور رشنا دونوں نے نوٹس لینے تھے۔ ”بھائی نئے والے دینا۔“ دکاندار سے کہتے ہوئے رشنا نے والٹ نکالا۔
”یہ لیں خود دیکھ لیں۔“ دکاندار نے پوری فائل رشنا کو تھما دی۔ اس نے اپنے نوٹس نکال کے باقی فائل رحمہ کو دے دی۔ اس کے فزیکل کے نوٹس اوپر ہی پڑے تھے۔ اس نے جیسے ہی انہیں اٹھایا نظر سیدھی نیچے رکھے ایم فل کے نوٹسوں پر جا پڑی۔ ان پر بڑا بڑا سعدین ظفر لکھا ہوا تھا۔ وہ نوٹس سعدین نے وہاں رکھوائے تھے۔ اس نے وہ بھی اٹھا لیے۔

”بھائی یہ کتنے کے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”500 روپے۔“ اس نے چپ چاپ والٹ سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکال لیا۔

نادیہ زور سے ہنسی۔ ”ہاں بھی تمہیں تو عادت ہوگئی ہوگی اب طعنوں اور گالیوں کی۔ تبھی ٹھیک ضاک کہہ رہی ہو۔ میں تو حیران ہوں تمہیں ہو کیا گیا تھا جو ٹرانسفر کروالیا۔ وہ بھی سراغ باز کے پاس۔“

”نادیہ آئی دراصل اس وقت بارہ بجے تھے۔ سکھوں کی طرح اس کا بھی دماغ ایکدم الٹ گیا۔“ رشنا نے نادیہ کا قل ساتھ دیا۔

”تمہیں بھی غلطی اس کی نہیں ہے۔ اس جیسے پاگل نہ ہوں تو سراغ باز تو بھوکے مرجائیں۔“ نادیہ کی بات پر رشنا قہقہہ لگا کر ہنسی۔

”وہ میرا کزن ہے ناسعدین۔“

رحمہ ایکدم چونکی۔ ”وہ بھی اسی پاگل برادری سے ہے۔ اتنی تعریفیں کرتا ہے سراغ باز کی کہ حد نہیں، بھی ان کے نانچ کو بندہ سر میں پارے جب عزت ہی نہیں تو۔۔۔۔۔“

نادیہ مسلسل بول رہی تھی۔ ”داد ہے بھی تمہاری ہمت کو۔“ وہ رحمہ کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

”دیکھا سب تمہیں پاگل کہتے ہیں۔“ رشنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ رحمہ چپ رہی۔ اب رشنا کو کیا پتا تھا اس نے فزیکل کیوں رکھی؟ اور سراغ باز کے پاس ٹرانسفر کیوں کروایا۔

”پتا ہے یہ یہ جو وہ دیکھتا ہے اس کی اپنے اس پاگل کزن سے معنی ہو چکی ہے۔ ایم فل کے بعد دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ نادیہ کی سی۔۔۔۔۔“ رشنا نہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی رحمہ نہ رہ گئی۔ چمن کی آواز کے ساتھ اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ رشنا اب بھی سمجھ نہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ اس سے وہاں اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنا دو بھر ہو گیا۔ آنکھوں میں چمن پر ہنسنا جاری تھی۔

”روشنی میں ہاسٹل جا رہی ہوں۔“ رشنا سے کہی ہوئی وہ فوراً وہاں سے نکل آئی۔ رشنا پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

شام ہونے تک اسے 103 ڈگری بخار ہو چکا تھا۔

☆.....☆

”روحی کہاں ہے؟ ابھی تک آئی کیوں نہیں؟“ رشنا اس کے انتظار میں کاروبار کے کئی چکر لگا چکی تھی۔

”مجھے کیا پتا! میں کون سا اس کے ساتھ رہتی ہوں۔“ رائے جھلکی۔

”فون بھی بند ہے۔“ روشنا کو پریشانی ہو رہی تھی۔ آج کلاسز بھی مسلسل دو بجے تک تھیں۔ فارغ ہوتے ہی دونوں بھاگتی ہوئیں ہاسٹل آئیں۔ جمعہ کا دن تھا۔ سو پیشتر لڑکیاں گھروں کو جا چکی تھیں۔ ہاسٹل کافی سنان ہو رہا تھا۔ رحمہ کا کمرہ بھی تقریباً خالی تھا۔ وہ اکیلی چادر میں منہ چھپائے لیٹی تھی۔

”روحی کیا ہوا ہے؟“ رشنا نے اس کے منہ پر سے چادر ہٹائی۔ بخار کی شدت سے اس کا چہرہ متمتار ہا تھا۔ ”روحی مجھے تو بخار ہے۔“

وہ رائے کے سہارے اٹھ کے بیٹھی۔ نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ اس سے بولا ہی نہ گیا۔

”میڈیسن لیں؟“ رائے نے اسے کندھے سے لگا لیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو کل ہی گھر چلی جاتی۔“ رشنا بولی۔

”ہمت ہی نہیں ہوئی۔“ وہ بمشکل بولی۔

رشنا نے غور سے اسے دیکھا۔ اترا ہوا چہرہ، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، پہلی زرد رنگت۔۔۔۔۔! کچھ تو تھا جو وہ چھپا رہی تھی۔ اندر ہی اندر کھل رہی تھی۔

”روحی۔۔۔۔۔!“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما۔ ”ادھر دیکھ میری طرف۔“ وہ آگے کو ہوئی۔ ”کیا بات ہے؟“

رحمہ نظریں چرا گئی۔ ”کچھ نہیں ہے۔“

رشنا نے دوبارہ اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ ”کچھ تو ہے۔ کل تک تو تو بالکل ٹھیک تھی۔ پھر ایک ہی رات میں اتنا شدید بخار کیسے ہو گیا؟“ رشنا اس سے اگلوانے کی کوشش کر رہی تھی۔

رحمہ کی آنکھیں بھر گئیں۔ ”کوئی تو بات ہے ضرور۔ گم صم رہنے لگی ہے تو۔ بول کیا بات ہے؟“

اور رحمہ کی بس ہو گئی۔ کل رات کا روتا، بلکتا بے چارہ دیکھی دل سہارا پا کر اور ٹوٹ گیا۔ وہ ہلک ہلک کر روتے ہوئے رائے کے گلے لگ گئی۔

”روحی؟“ وہ بھی حیران رہ گئیں۔ ”روحی کیا ہوا؟“ رائے نے اسے بمشکل چپ کر دیا۔ ”بول اب کیا بات ہے؟“ رشنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”روحی مجھے پتا نہیں کہ ہوا کیا ہے۔ مجھے اس کی عادت ہوتی جا رہی ہے۔ ہر روز کا پہلا کام اسے دیکھنا، ہر روز کا آخری کام اسے دیکھنا۔ اسے دیکھتے رہنے کو ہی دل کرتا رہتا ہے۔ مجھے اپنے دل میں اترا تھامس ہوتا ہے وہ۔“

وہ دونوں اس کی باتیں سن کے ساکت رہ گئیں۔

”ایک دفعہ ذہن پر چڑھنے کی دیر ہے، بس پھر اترا ہی نہیں ہے۔ نہ میرا کچھ کھانے پینے کو دل کرتا ہے۔ نہ ہی کمر جانے کو دل کرتا ہے۔ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے۔ نہ ہر وقت۔۔۔۔۔ ہر وقت وہ یاد آتا رہتا ہے۔“ وہ ہلک ہلک کے کہتی چلی گئی۔

”کون روحی؟“ رشنا کئی لمحوں بعد بڑی ہمت کر کے بولی۔

اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے رشنا کو دیکھا۔ ”سعدین ظفر۔“ چمن سے رشنا کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

☆.....☆

وہ آج بھی یونیورسٹی نہیں جاسکی تھی۔ تقریباً دس بجے کے قریب فٹشی نے آکر بتایا کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے۔ چادر اوڑھ کے حیران ہوتی ہوئی وہ بمشکل وزیٹنگ روم تک آئی تھی اور اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹھک گئی۔ اویس کھڑکی کی طرف رخ موڑے کھڑا تھا۔

”تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟“ وہ بولی۔

”تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔“ اس کے سادہ سے فقرے میں بہت کچھ چھپا تھا۔

”کیسی طبیعت ہے اب؟“ رحمہ کے متوقع غصے کے پیش نظر اس نے فوراً دوسرا سوال کیا۔

”اویس باز کیوں نہیں آرہے ہو۔ کیسے سمجھاؤں تمہیں۔“ وہ تھک ہار کے بولی۔

”تم مجھے کچھ مت سمجھاؤ۔ بس میری عرض سن لو۔“ وہ اس کے قریب آکر بولا۔

”اور نہ سنوں تو؟“ اس نے سوال کیا۔

اسے دیکھتی رہ گئیں۔
”رومی! آج کل اتنی ہی چمکیلی رہنے لگی ہیں اولیس کی آنکھیں بھی۔“ رشنا ہولے سے بولی تھی۔

☆.....☆

اس دن وہ تینوں یونیورسٹی کی منی ماریٹ آئی تھیں۔ رائے نے ڈائنا اور عائشہ کی ویڈیو انیسویں کے لیے گفٹ لینا تھا۔ گفٹ پیک کروا کے وہ تینوں Piza شاپ پر آ گئیں۔ رشنا آرڈر دینے لگ گئی اور رحمہ رائے سے باتیں کرنے لگ گئی۔ یونہی بولتے بولتے اس کی نظر سامنے والی ٹیبل کی طرف اٹھی اور پھر واپس نہ آ سکی۔ سعدین اور نادیہ دونوں جوس پیتے ہوئے بڑے خوشگوار موڈ میں باتوں میں مصروف تھے۔ اس کی آنکھوں میں مریچیں سی بھرنے لگیں۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب ان دونوں نے Piza پیک کر دیا اور کب اس کا ہاتھ تمام کے باہر آئیں۔ ان دونوں کی میز کے قریب سے گزرتے ہوئے آخر اس کی آنکھیں چمک گئیں۔

صرف ایک بار..... سعدین نے صرف ایک بار نظر اٹھا کر سرسری سا اسے دیکھا اور بس!
ان دونوں کو تب پتا چلا جب رحمہ سے کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔ ”کیا ہوا رومی؟“ دونوں حیران و پریشان رہ گئیں۔
”مجھے بائبل پڑھنا ہے۔“ کہتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ دونوں دم بخود اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆.....☆

وقت ریٹکٹ چلا گیا۔ رحمہ نے اختیار کرنا صرف سعدین کا نام لینا تھا وہ بھی سرگوشیوں میں..... تنہائیوں میں..... اسے دیکھنا..... اسے سننا..... اس سے بات کرنا..... کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔
اس نے بہت کوشش کی سعدین کو بھلائی۔ اسے چاہنے کی..... اسے نہ مانگنے کیا..... مگر وہ بے اختیار رہی۔

”اللہ مسافر کی دعا دینے نہیں کرتا۔“ اپنے ہر سفر میں آئے جاتے تھے سعدین کو مانگنا جیسے اس پر فرض ہو گیا۔
”اللہ بیمار کی دعا دینے نہیں کرتا۔“ بخار میں تپتے ہوئے بھی اس کے لیے سعدین کا نام ہی نکلتا۔
”اللہ تھکے کی دعا دینے نہیں کرتا۔“ اس نے تھکے پڑھنا فرض کر لیا۔
رفتہ رفتہ خاموش سے خاموش تر ہوتی چلی گئی۔

سجدوں میں باقاعدگی آتی گئی
آنسوؤں میں روانی آتی گئی
نمازوں میں عاجزی آتی گئی
باتوں میں محاسن آتی گئی
اور.....

چاہت میں شدت آتی گئی۔
رشنا اور رائے دونوں اس کے لیے حد سے زیادہ پریشان تھیں۔ رشنا جب اسے اور اولیس کو اکٹھے دیکھتی تو اور پریشان ہو جاتی۔ اولیس کی آنکھوں میں محبتوں کے جہان آند آتے اور رحمہ کی آنکھیں دیکھنے سے

”تو میں وجہ پوچھوں گا۔ نہیں بتاؤ گی تو اصرار کروں گا۔ ضد کروں گا۔ روؤں گا۔“ وہ کہتے کہتے رکا۔
”جہاں تک ہو سکی پوری کوشش کروں گا لیکن چپ چاپ پیچھے نہیں ہٹوں گا۔“ مضبوط لہجے میں کہتا وہ باہر نکل گیا۔ رحمہ کی کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆

”رشنا! رحمہ کی کہیں مشکلی وغیرہ تو نہیں ہوئی ناں۔“ وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے جب اولیس نے اچانک اس سے پوچھا۔
رشنا یکدم گڑبڑا گئی۔ ”آ..... انہیں تو..... کیوں؟“
”میں آج اس سے ملنے گیا تھا۔“
رشنا دم بخود رہ گئی۔ ”کہہ رہی تھی باز آ جاؤ۔“
اولیس بولتا چلا گیا۔

”پھر؟“ رشنا نے ہولے سے پوچھا۔
”پھر کیا! میں با آئے کے لیے تو آگے نہیں بڑھانا۔“ اولیس ہنسا۔
”اولیس! بالفرض! اگر آپ نہیں مانتی تو؟“ رشنا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
اولیس نے ایک لمبی سانس لی۔ ”تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی رشنا۔ میں تو شاید برداشت کر لوں لیکن میرا دل برداشت نہیں کر پائے گا۔ بہت بڑے طریقے سے ٹوٹ جائے گا۔“ رشنا سن رہی تھی۔ ”اسے مانتا ہی پڑے گا۔“ وہ کہتے ہوئے سبز حیاں چمکاتے ہوئے رشنا کی طرف دیکھ رہی تھی۔
”میں وہ رحمہ سے پوچھنے بغیر نہ رہ سکی۔“ رحمہ نے کہا کہا کل اولیس سے؟“ وہ تینوں کا ریڈیو کی میز چھو رہی تھیں۔

”میں اسے کیا کہوں روشی؟ اقرار کروں تو میرے پاس بے اختیار انکار کروں تو وہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ کیا کروں میں؟“ اس نے لمبی سانس لی۔ ”رومی ایک سال سے بھی کم رہ گیا ہے ماسٹر تو مکمل ہونے میں۔ اس کے بعد تو نے ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلے جانا ہے۔ جب تک اسے کیسے رہے گی۔“
رحمہ بول نہ سکی۔ ”رومی جا کے سب کچھ کہہ دے سعدین کو۔“ رائے نے چل کر رشنا کی طرف اشارہ کیا۔
رحمہ کھل کے مسکرائی۔ ”رومی ایک سال تک مجھے اس کا نام تک پتا نہیں چلا تھا۔ اس کی بات کرتے ہوئے ہونٹ کاٹتے ہیں میرے، زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔ وہ سرسری سا بھی میری طرف دیکھ کر تو پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ کیسے کہہ دوں اسے سب کچھ؟“ وہ بولتی چلی گئی۔
”تو پھر اپنے خود بخود تو پتا نہیں چلے گا اسے۔“ رشنا بولی۔

”میں بات کروں اس سے.....“ رحمہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دی۔ ”خبردار روشی مشکلی شدہ ہے وہ۔ میری خاطر اب وہ اپنی مشکلی تو توڑنے سے رہا۔ نادیہ کو بھنک بھی پڑ گئی تو پورے ڈپارٹمنٹ میں دھوم مچا دے گی۔ سب کو پتا چل جائے گا۔ روشی میں ذلیل ہو جاؤں گی۔“ کہتے کہتے وہ یکدم چپ ہو گئی تھی۔ ان دونوں نے اس کی نظروں کی سمت میں دیکھا۔ سعدین کچھ دوستوں کے ساتھ روش پر سے گزر رہا تھا۔ رحمہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ”میں آتی ہوں ابھی۔“ کہتے ہوئے وہ دیوانہ وار اس کے پیچھے روش پر بھاگی تھی۔ اس کی گود میں پڑا سیل فون دور جا پڑا اور کھل گیا۔ رشنا اور رائے دونوں دم بخود بیٹھیں

انکار ہی ہو جاتیں۔ اولیس کے لبوں پر افسانوں کے افسانے سج جاتے اور رحمہ کے کان سننے سے انکاری ہو جاتے۔

اولیس بھائی تھا وہ اسے پیچھے نہ ہٹا سکی۔
رحمہ دوست تھی وہ اسے آگے بڑھنے سے نہ روک سکی۔

اور..... وقت ریگلتا چلا گیا۔
لیکن..... آنے والے وقتوں میں کسی ایک کو تو لازمی پلٹنا تھا۔ یا اولیس کو یا پھر رحمہ کو۔

☆.....☆

دو دن بعد پارٹنٹ کا اینول ڈنر تھا۔ رحمہ کے حد درجہ انکار کرنے پر بھی وہ دونوں اسے زبردستی گھسیٹ کر لے گئیں۔ سینکڑوں دفعہ اس کی نظروں نے آڈینوریم کا پوسٹ مارٹم کر لیا مگر سعدین کہیں نظر نہ آیا۔ فنکشن ختم ہوا تو رشاد تصویریں بنانے اُتج پر چڑھ گئی۔ اسے برا بھلا کہتے ہوئے وہ بھی اس کے پیچھے اوپر آ گئی۔ یوہی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سعدین اسے ایکڑٹ سیڑھیوں پر سب سے اوپر کھڑا نظر آیا۔ شاید وہ واپس جانے لگا تھا۔ ہرچیز پر چھوڑ چھاڑ تیز گام کی رفتار کو مات دیتی وہ اسٹوڈنٹس کے رش میں جگہ بناتی اُتج سے نیچے آئی تھی۔ سعدین کو حیا کی عبور کر کے میں ڈور تک پہنچ گیا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے ہی باہر آئی۔ باہر اکا دکا ہی لوگ تھے۔ اس کے قدموں کی آواز سن کر سعدین نے مڑ کر اسے دیکھا اور وہ وہیں ٹھہر گئی۔ بہت کوشش کی مگر اکھیں نہ کھلیں۔ سعدین سے دیکھتے ہوئے گاڑی نکال لے گیا۔ وہ منتشر سانسوں کے ساتھ وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆

”یار رومی ایہ میڈم کرن آخر فنکشنز پر کیوں نہیں آئیں؟“ وہ تینوں بڑی گراؤنڈ میں ہنسی نہیں جب رشاد نے نظر اٹھایا۔

”پکا تو نہیں پتا لیکن شاید سر آصف کی وجہ سے۔“

رشاد اور رحمہ دونوں چوٹیں۔ ”مطلب؟“

رائمہ نے دونوں کی طرف دیکھا۔ ”میں نے سنا ہے کہ کسی زمانے میں دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور شاید محبت بھی کرتے تھے۔“

رشاد کی آنکھیں کھل گئیں۔

”پھر پتا نہیں کیوں شادی نہیں ہوئی۔ شاید سر آصف نے انکار کر دیا۔“ رائمہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔

”انکار کیوں کیا؟ اچھی بھلی تو ہیں میڈم کرن۔“ رشاد بولی۔

”ہو سکتا ہے صرف میڈم کو اچھے لگتے ہوں سر آصف۔ سر کو کہیں اور شادی کرنی ہو۔“ رائمہ کا اندازہ درست تھا۔

”لیکن اس ساری بات کا فنکشن پر نہ آنے سے کیا تعلق؟“ رحمہ سر کھجا کے بولی۔

”شاید انکار فنکشن والے دن ہوا ہو۔“ رائمہ کا نکاز بردست تھا۔

”یار یہ تو بڑی فلمی پتویشن ہے۔“ رشاد مسکرائی۔

”ویسے بھائی ایک بار بتا رہے تھے کہ سر آصف کی لومیرج تھی۔“ رائمہ دھما کے پردھما کے کر رہی تھی۔

”سمجھ گئی، محبت صرف میڈم کرن نے کی ہوگی۔ جب سر کو بتایا ہوگا تو ظاہر ہے انہوں نے کہا ہوگا کہ میں تو کہیں اور کھینڈ ہوں۔ میڈم کا دل ٹوٹ گیا ہوگا۔ کچھ عرصہ روئی دھوئی ہوئی گی پھر گھر والوں نے شادی کر دی ہوگی مگر.....“ رشاد اور رائمہ دونوں بڑی توجہ سے رحمہ کی کہانی سن رہی تھیں۔ ”مگر سوال یہ ہے کہ سر کو دھما شادی ہو جانے کے دس سال بعد بھی میڈم کرن نے ٹرانسفر کیوں نہیں کر دیا؟“

”میڈم کرن سے پوچھیں؟“ رشاد اپنی ہی رو میں کہہ گئی۔

”شاید اپنی بیوی کی ڈیجھ کے بعد سر آصف کو احساس ہوا ہو اور انہوں نے دوبارہ.....“

رائمہ نے وہیں رشاد کو بریک لگائے۔ ”یاد رکھ میڈم کرن نے طلاق نہیں لی ہے۔“

”تو پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“ رشاد نا سمجھ سے انداز میں بولی۔

”یہ پھر بی رحمہ ملک سے پوچھو۔ آج کل اس کا تجربہ زیادہ ہے۔“ رائمہ کھل کے ہنسی۔ رحمہ صرف مسکرا کے رہ گئی۔

”آج کل کلن (دوا) مل گئی ہے یا نہیں۔“ رشاد نے اس کے کہنی ماری۔

”تیرا یہ حال کلن کا تپ پوچھوں گی۔“ رحمہ نے اسے گھر کا رشاد کھل کے مسکرا دی۔

☆.....☆

اور پھر آخری سبسکرائپ ہو گیا۔ رشاد نے رشاد کے رحمہ ان چھ ماہ میں مزید پاگل ہو گئی۔ ہر صبح سعدین کو کارڈ ور میں دیکھ کے اس کی سانس جھک جاتی۔ سارا دن ٹوٹھ پیٹ کا اشتہار رہتی رہتی اور جس دن وہ نظر نہ آتا۔ اس دن بات کرنا بھی جرم ہو جاتا۔ رشاد اور رائمہ اسے بلا بلا کے تھک جاتیں۔ گرمیوں کی خاموشیوں اور سردیوں کی اداس شاموں میں اس کی یاد کی لوٹ کا ایک ہی کام رہ گیا۔

تباہ سردا توں میں

یہ بھی ہے مشغلہ اپنا

لگا کر ٹیک نیچے سے

اسے بس سوچتے رہنا

سعدین کے کپڑے، کپڑوں کا رنگ، آنے جانے کے اوقات، بات کرنا نہ کرنا، از کھڑے ہونے کا انداز..... ہر چیز اسے از بر ہو گئی۔ وہ جہاں کہیں نظر آتا، دیوانا وارا اس کے پیچھے دوڑ پڑیں، رشاد کو علم ہو گیا تھا کہ تین ماہ بعد سعدین اور رائمہ کی شکاری کھس ہو گئی تھی مگر اس نے رحمہ کو نہ بتایا۔ وہ تو شاید صدمے سے ہی مر جاتی لیکن یہ چھ ماہ شاید رحمہ سے زیادہ رشاد کے لیے اذیت زدہ تھے۔ اس کی نظروں کے سامنے صرف دیوانگی کی حدود کو چھوٹی رحمہ ملک ہی نہیں تھی بلکہ عاشقی کی حدود کو پار کرتا اس کا اپنا بھائی بھی تھا۔ وہ دونوں میں سے کسی کو بھی نہ سمجھا پائی۔ کسی کو بھی نہ روک پائی۔ رحمہ اولیس کا انتظار لمبا کرتی چلی گئی اور وہ بخوشی قبول کرتا چلا گیا۔ جس دن ان تینوں کا میسج جمع ہوا۔ اس رات ہی رشاد نے اولیس سے پوچھ لیا۔

”اولیس اب ہمیشہ کے لیے چلے جانا ہے اس نے اپنے گھر۔ کیا سوچا ہے تم نے۔“ اولیس مسکرایا تھا۔

”پر پوچھ کر اسے؟“ رشاد اس کے سوال پر دنگ رہ گئی۔

”اولیس وہ نہ مانی تو.....“ رشاد نے ذہن میں رحمہ کا چہرہ گھوم گیا۔ اولیس ایک لمبی سانس لے کر آگے کو ہوا۔ ”کیسے نہیں مانے گی۔ مجھے دنیا اچھی نہیں لگتی اب اس کے بغیر۔“ رشاد اس کے لفظوں کی سرکشی سے

خوفزدہ ہو گئی۔

کے ہر اعلیٰ مقام کے ساتھ اپنا ڈس گا۔ وعدہ ہے میرا کہ تم پر کوئی آج نہیں آئے گی۔" رحمہ کی پلکیں اور لب دونوں لرزنے لگے۔ سانسیں جیسے اس سے لڑنے لگی تھیں۔
"میں تم سے تمہاری مرضی شاید کبھی نہ پوچھ سکوں کیونکہ میری محبت بہت کم ظرف ہے۔ تمہیں کسی اور کا ہوتے دیکھ نہیں پائے گی۔" رحمہ کی برداشت ختم ہو گئی۔ آلسو بے دریغ گالوں پر بہنے لگے۔
"بس تمہاری ہاں....."

اولیس دھیرے سے بولا۔ رحمہ اس لمبے دورا ہے پر کھڑی تھی۔

ایک طرف اولیس تھا..... مکمل حقیقت۔

دوسری طرف سعدین تھا..... صرف ایک خیال۔

ایک طرف اولیس تھا..... صرف اور صرف اس کا۔

دوسری طرف سعدین تھا..... کسی اور کا۔

ایک طرف سب کچھ تھا..... پیار محبت چاہت وفا ساتھ۔

دوسری طرف کچھ بھی نہیں تھا۔

بظاہر فیصلہ۔ موت آسان تھا۔

ایک درخت تھا اور ایک غلط۔

مگر کون کہتا ہے کہ ایک درست اور ایک غلط کے درمیان فیصلہ کرنا بہت آسان ہوتا ہے جو کہتا ہے وہ ذرا آ کر دیکھتا۔

آ کر دیکھتا اس کمزور لڑکی کو جو بڑے کوچن نہیں پارہی تھی اور غلط کو چھوڑ نہیں پارہی تھی۔

"رحمہ صرف تمہاری ایک ہاں۔ اور..... رحمہ کے لبوں کی لرزاہٹ رفتہ رفتہ ہتھکیوں میں بدل گئی۔ آلسو بڑی فرصت سے بچے چلے آ رہے تھے۔

"اولیس پلیز بس کرو۔" رشنا اس کی نازک سانس دیکھ کر گھبرائی۔ اس کی کلائی پکڑ کے

اسے وہیں روک دیا۔

"صرف ایک ہاں۔" اولیس اڑ گیا تھا۔

"اگر میں منع کر دوں تو؟" رحمہ نے سوچا۔ "تو وہ وجہ پوچھے گا۔" اس نے اپنے

"اور وجہ....." اس نے چاروں طرف نظریں گھمائیں۔ وجہ نہیں بھی تھی۔ وجہ صرف ایک خواب

تھی۔ خیال تھی۔

ہتھکیوں کی پشت سے آنسو گر رہے تھے اس نے اولیس کی ہتھیلی پر سے رنگ اٹھائی اور ایک لفظ بھی کہے

بغیر آگے بڑھ گئی۔ رشنا اور رائمہ اس کی پشت دیکھ کر رہ گئیں۔ اولیس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یکیشٹری

ڈپارٹمنٹ کی حدود سے باہر نکلتے ہی وہ جھٹک گئی۔ سعدین اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ لا پرواہ..... انجان

رحمہ کو لگا کہ وہ چند سیکنڈ بھی اور ٹھہری تو شاید اس کا فیصلہ بدل جائے۔ روانی سے پہتے آنسوؤں کو روکتی وہ سر

جھکائے تیزی سے اس کے پاس سے گزر گئی اور سعدین حیران نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

شاید یہ اس کی محبت کا اختتام تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

☆.....☆

آج اسے گھر واپس جانا تھا۔ سارا سامان سمیٹ کر وہ ڈپارٹمنٹ آ گئی۔ رشنا اور رائمہ سے بھی ملنا تھا اور..... سعدین کو بھی دیکھنا تھا۔ تقریباً دو تین گھنٹے وہ دونوں اس سے گلے مل کے روتی رہیں۔ پھر یونہی بے مقصد کارڈز میں پھرتی رہیں مگر سعدین کہیں نظر نہ آیا۔ رحمہ کا دل بچنے لگا۔ "رشنا میں اب چلتی ہوں۔" رشنا اس کے لہجے کی اداسی جان گئی۔

"کچھ دیر اور انتظار کر لے۔" وہ بولی۔ تو رحمہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"روحی تیرا یہاں یہ حال ہے تو گھر جا کے کیا کرے گی؟" وہ بول نہ سکی۔

"ایک بار بات کر لیتی اس سے۔" رائمہ نے پھر شورہ دیا۔

"مجھ میں نہیں ہے ہمت۔" رحمہ آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔

"روحی! شاید وہ تجھے آہستہ آہستہ بھول جائے۔ یہاں تو نظروں کے سامنے ہوتا ہے تو شاید بھلا نا مشکل ہے لیکن جب نظر ہی نہیں آئے گا تو بھول بھی جائے گا۔" رائمہ نے اسے دلا سہ دیا۔
"اللہ کرے ایسا ہی ہوگا....." رحمہ مسکرائی تھی۔

"میں نے ان دو سالوں میں اس کی وجہ سے اتنا کچھ سیکھا ہے کہ اب کوشش بھی کروں تو وہ ذہن سے نہیں نکلے گا۔ رومی میں نے غلامی دلاؤں میں اتنی اپنے لیے بخشش نہیں مانگی جتنا اسے مانگا ہے۔" رحمہ کی آواز بھرا گئی۔

"روحی..... اولیس....." رشنا نے اسے ہتھکڑیاں رحمہ کا دل ڈوب سا گیا۔ نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔ اولیس کو ایک نظر دیکھتے ہوئے وہ واپس جانے لگے۔ "خدا حافظ۔" وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہی دوسری طرف مڑی تھیں۔ رحمہ ابھی ان سے دو تین قدم آگے ہی تھی کہ اولیس کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

ہماری استقامت سے زمانہ خوب واقف ہے

نہ نظریں بدلیں نہ ہم نے یار بدلے ہیں

رشنا اور رائمہ دونوں نے پلیٹ کے اولیس کو دیکھا۔ رحمہ پلیٹ بھی نہ سکی۔ اولیس بولے ہوئے چلتا ہوا وہ قدم آگے آیا۔ "میری زندگی کے گزرنے 25 سال شیشے کی طرٹ شفاف ہیں رحمہ ملک۔ جہاں سے بھی چاہے پرکھو۔" رحمہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ "دو سال پہلے اس بینک میں پرکھنے پر کھڑے ہو کر تمہیں منزل بتا تھا۔ آج دو سال کے بعد بھی منزل تم ہی ہو۔" رحمہ ساکت کھڑی تھی۔ اولیس چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور پھر بولے۔
"اسے وہ دونوں کندھوں سے تمام کے سیدھا کیا۔ رحمہ کی دونوں آنکھیں پانیوں سے نہریں تھیں۔

"رحمہ میں اس لمحے تم سے زیادہ کچھ نہیں مانگوں گا۔ نہ کوئی قرار، نہ کوئی اظہار نہ کوئی وعدہ، نہ کوئی لفظ محبت اور نہ ہی کوئی خوب صورت فقرہ..... کچھ بھی نہیں، صرف ایک سادہ سی چیز چاہیے۔ تمہاری ہاں۔" اولیس کہتے ہوئے بولے اس کے سامنے جھٹکوں سے بل بیٹھی۔ بند بٹھیلی اس کے سامنے کی اور ہونے سے کھول دی۔ رشنا اور رائمہ دونوں چپ کھڑی تھیں۔

"صرف ایک ہاں رحمہ! اس کے بعد ہر فاصلہ، ہر رکاوٹ، ہر حد میں خود ختم کر لوں گا۔ تمہیں عزت